خِلافت ارض کیلئے سائنس اور ٹکنالوجی کی اہمیت

قرآن حکیم کی نظر میں

۱ ۔ خلافت ارض اور علم اسماء

جناب مولوی محمد شہاب الدین صاحب ندوی ۔ ناظم فرقانیہ اکیڈمی، بنگلور

دنیا کا سب سے پہلا علم جو انسان کو دیا گیا قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ ایزدی سے انسان کو سب سے پہلا جو علم دیا گیا وہ "علم اسماء" (علم اشیائے عالم) تھا۔ انسان کو اس علم سے سرفراز کیے جانے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ انسان مظاہر فطرت اور ان کے خواص سے بخوبی آگاہ ہو کر ان سے فائدہ اٹھائے اور "خلافت ارض" کے تقاضوں کو پورا کرے نیز دنیا سے ظلم و عدوان کا استیصال کر کے عدل و انصاف قائم کرے۔

علم اشیائے عالم (مظاہر کائنات کا علم) اور "خلافت ارض" بظاہر دو الگ چیزیں معلوم ہوتی ہیں اور ان میں باہم کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا۔ ....

.... مگر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان دونوں میں بہت گہرا ربط و تعلق ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں "خلافت" اور "تعلیم اسماء" کا بیان ساتھ ساتھ آیا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو انھوں نے کہا کہ کیا تو ایسی ہستی کو بنائے گا جو زمین میں فساد اور خونریزی برپا کرے، حالانکہ ہم برابر تیری تسبیح و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ میں وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو تمام اسماء (موجوداتِ عالم) کا علم دے دیا، پھر اُن تمام موجودات کو فرشتوں کے سامنے (مجسّم شکل میں) پیش کرکے کہا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو (کہ ہمارے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟) تو ذرا مجھے ان چیزوں کے نام تو بتادو، فرشتوں نے عرض کیا کہ تو پاک ہے ہم کو (ان چیزوں کا) کوئی علم نہیں سوائے اس کے جتنا کہ تو نے ہم کو سکھا دیا ہے۔ یقیناً تو ہی ہمہ دان اور دانش مند ہے۔ (تب) ارشاد ہوا، اے آدم! اِن کو اُن چیزوں کے نام بتادو، تو آدم نے ان کو تمام چیزوں کے نام (اسماء وخواص وغیرہ) بتادیے۔ اللہ نے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں ہی زمین اور آسمانوں کی تمام پوشیدگیوں سے واقف ہوں اور ان باتوں کو بھی جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم (اپنے دلوں میں) چھپاتے ہو۔ (البقرہ: ۳۰-۳۳)

ان آیاتِ کریمہ میں سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" (اور اُس نے آدم کو تمام اسماء کا علم دے دیا، یا تمام نام بتادیے) سے کون سا علم مراد ہے اور اس کا

اطلاق کن چیزوں پر ہوتا ہے ؟ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس علم کا خلافت ارض سے کیا تعلق ہے اور موجودہ دور میں اس کی کیا اہمیت ہے ؟ ان ہی دو بنیادی مسائل کی تنقیح اس وقت مطلوب ہے۔ باقی مسائل ضمناً آ گئے ہیں۔

علم اسماء کیا ہے | " اَلْاَسْمَاءَ كُلَّهَا " (تمام ناموں) سے مراد مفسرین کی تصریحات کے مطابق تمام موجودات عالم اور تمام مظاہر کائنات کے نام اور ان کے آثار وخواص کا علم ہے۔ یہ ایک بہت وسیع علم ہے جس کو ہم مختصر طور پر بطور ایک اصطلاح "علم اسماء" (مظاہر کائنات کا علم) کہہ سکتے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

آسماء : اسم کا مفہوم عربی زبان میں اُردو کے "نام" سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اسم وہ ہے جس کے ذریعہ کوئی چیز جانی پہچانی جائے۔[1]

کسی چیز کا اسم اُس کی علامت ہوتی ہے۔ اسم الشئ علامتہ۔[2]

اسم کے اصل معنیٰ ہیں جس سے کسی شے کی ذات معلوم کی جا سکے۔ الاسم ما یعرف به ذات الشئ۔[3]

اور یہ شناخت ممکن نہیں جب تک کہ اعراض، خواص، آثار کا علم بھی ساتھ ساتھ نہ ہو۔ یہ تو لفظی معنی ہوئے۔ آیت کی تفسیر میں محققین نے مراد معلومات اشیاء سے لی ہیں اور اسماء کے ساتھ مسمّیات اور ذوات وخواص اشیاء کو شامل کیا ہے۔ اور اشیاء کے اسماء سے مراد اُن کے آثار وخواص کا علم لیا ہے۔ گویا سارے علوم تکوینی آدم وبنی آدم کو ودیعت کر دیے گئے ہیں۔[4]

---

[1] تفسیر ماجدی، ۱/۷، طبع ثانی، لکھنؤ۔

[2] القاموس المحیط

[3] مفردات راغب

[4] تفسیر ماجدی

مفسرین کے دلائل | یہ گویا تمام تفاسیر کا حاصل اور خلاصۂ مطالب ہے۔ مگر اس بیان کو مزید مدلل کرنے کی غرض سے اس سلسلے میں چند مستند تفسیروں سے کچھ مزید تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادیؒ نے اپنی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ اس سے علوی وسفلی اور جوہری وعرضی ہر اعتبار سے تمام موجوداتِ عالم مراد ہیں۔

وقيل المراد بها أسماء ما كان وما يكون الى يوم القيمة، وعُزى الى ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما۔ وقيل اللغات، وقيل أسماء الملٰئكة، وقيل أسماء النجوم، وقال الحكيم الترمذى: أسماؤه تعالىٰ، وقيل وقيل وقيل۔ والحق عندى ما عليه أهل الله تعالىٰ۔ وهو الذى يقتضيه منصب الخلافة الذى علمت، وهو أنها أسماء الأشياء علوية أو سفلية جوهرية أو عرضية۔ ويقال لها أسماء الله تعالى عندهم باعتبار دلالتها عليه، وظهوره فيها غير متقيد بها، ولهذا قالوا ان أسماء الله تعالى غير متناهية۔

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ان تمام چیزوں کے نام ہیں جو واقع ہوچکی ہیں اور جو قیامت تک واقع ہونے والی ہیں۔ اور اس قول کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف کی گئی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد زبانیں ہیں، ایک قول ہے کہ مراد فرشتوں کے نام ہیں، ایک قول ہے کہ مراد ستاروں کے نام ہیں۔ اور حکیم ترمذی نے کہا ہے کہ اس سے مراد اسمائے الٰہی ہیں۔ اسی طرح کے اور اقوال بھی مروی ہیں۔ اور میرے نزدیک حق بات وہی ہے جس پر اہل اللہ قائم ہیں۔ اور وہ وہی چیز ہے جو منصب خلافت کی مقتضی ہے، اور وہ ہے: تمام چیزوں کے نام، خواہ وہ علوی ہوں یا سفلی، جوہری ہوں یا عرضی۔ اور انہی چیزوں کو دیگر اقوال کے مطابق اسماء اللہ بھی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں اُس (کے وجود وصفات) پر دلالت کر رہی ہیں،

اور یہ اسماء و صفات ان میں ظاہر ہو رہے ہیں، مگر انہی میں مقید نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اسمائے الٰہی بے پایاں ہیں[1]۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول مروی ہے:

قال هي هذه الأسماء التي يتعارف بها الناس: انسان ودواب و سماء وأرض وسهل وبحر وخيل وحمار وأشباه ذلك من الأمم وغيرها:

یعنی فرمایا کہ یہ وہ نام ہیں جن سے لوگ متعارف ہیں، جیسے انسان، چوپائے، آسمان، زمین، میدان سمندر، گھوڑا، گدھا اور انہی جیسے دیگر انواع و اقسام[2]۔

وقال مجاهد: اسم كل دابة وكل طير وكل شئ. یعنی مجاہد نے کہا کہ اس سے مراد ہر چوپایہ، ہر پرندہ اور ہر چیز ہے[3]۔

والصحيح أنه علّمه أسماء الأشياء كلها ذواتها وصفاتها وأفعالها كما قال ابن عباس حتى الفسوة والفسية: اور صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام، ان کے ذوات، ان کی صفات اور اُن کے افعال کا علم دے دیا تھا، جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے، یہاں تک کہ گوز اور چھینک تک کا علم[4]۔

اس کے بعد علامہ ابن کثیرؒ نے اس قول کی مزید تائید کے طور پر بخاری شریف کی ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے (جو ایک طویل حدیث ہے اور اس کا وہ ٹکڑا ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے جس پر مدار استدلال ہے) اس حدیث کے مطابق لوگ قیامت کے

---

[1] تفسیر روح المعانی، ۱/۲۲۴

[2] تفسیر ابن کثیر، ۱/۷۳

[3] حوالۂ مذکور

[4] حوالۂ مذکور

دن کی ہولناکیوں سے پریشان ہوکر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور اُن سے اس طرح مخاطب ہوں گے:

...... انت ابو الناس، خلقك الله بيده، واسجد لك ملائكته، وعلّمك أسماء كل شيئ فاشفع لنا عند ربك ...... آپ تمام لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ کو تمام فرشتوں سے سجدہ کرایا، اور آپ کو تمام چیزوں کے نام بتا دیے۔ پس آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش کیجیے[1]

اس حدیث کی تائید میں ابن کثیر نے مسلم، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت بھی پیش کی ہے پھر اس کے بعد فرماتے ہیں:

فدل هذا على أنه علمه أسماء جميع المخلوقات: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے اسماء سکھا دیے تھے[2]

علامہ ابن کثیر رحمہ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ بہت مدلل ہے اور حدیث شریف کی تصریح کے بعد تو اس میں مزید کلام کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ اسی بنا پر اکثر مفسرین نے آیت کریمہ کا یہی مفہوم مراد لیا ہے اور اس کے متعدد پہلوؤں پر بحث کی ہے۔

علامہ زمخشری اس آیت کی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ یہاں پر مضاف الیہ کو حذف کر کے مضاف کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے:

(وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا) أي أسماء المسمّيات، فحذف المضاف اليه لكونه معلوماً مدلولاً عليه بذكر الأسماء لأن الاسم لا بد له من مسمّى: ناموں سے مراد چیزوں کے نام ہیں۔ تو یہاں پر مضاف الیہ (مسمّیات) کو اسماء کے ذکر کی

---

[1] بخاری کتاب التفسیر
[2] تفسیر ابن کثیر ۱/۷۳

وجہ سے معلوم ومدلول ہونے کی بنا پر حذف کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسم کے لیے اس کا مسمّی ہونا ضروری ہے[1]

پھر فرماتے ہیں:

فان قلت فما معنی تعلیمہ أسماء المسمیات؟ قلت: أراہ الاجناس التی خلقها، وعلمہ أن هذا اسمہ فرس، وهذا اسمہ بعیر، وهذا اسمہ کذا وهذا اسمہ کذا۔ وعلّمہ أحوالها وما یتعلق بها من المنافع الدینیة والدنیویة: اگر تم کہو کہ آدمؑ کو چیزوں کے نام سکھانے کے کیا معنی ہیں؟ تو میں کہوں گا کہ اللہ نے اپنی تخلیق کردہ تمام اجناس آدمؑ کو دکھا دیں اور انھیں بتایا کہ یہ گھوڑا ہے، یہ اونٹ ہے اور یہ فلاں چیز ہے اور یہ فلاں۔ اور پھر اس نے ان تمام چیزوں کے حالات، ان کے متعلقات اور دینی و دنیوی تمام منافع بھی بتا دیے[2]

علامہ جصاص رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ (الاسماء) کے عموم میں اس کے تمام معانی داخل سمجھے جائیں گے (اصول فقہ کی رُو سے):

یدل علی أنہ علم الأسماء کلها لآدم۔ أعنی الاجناس بمعانیها لعموم اللفظ فی ذکر الأسماء: یہ بیان اس حقیقت پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو تمام اسماء سکھا دیے تھے۔ یعنی اس لفظ کے عموم کی بنا پر اپنے تمام معانی ومفہومات سمیت جنسیں (موجودات عالم کی) مراد ہیں[3]

پھر اس کے بعد بطور دلیل تحریر فرماتے ہیں:

وانہ علمہ ایاها بمعانیها اذلا فضیلة فی معرفة الأسماء دون المعانی، وهی دلالة علی شرف العلم وفضیلتہ: اور اس نے یہ تمام اسماء اپنے معانی

---

[1] تفسیر کشاف، ۱/۲۷۲، مطبوعہ ایران۔

[2] ایضاً۔

[3] احکام القرآن، ۱/۳۱۔

ومفہومات کے ساتھ سکھائے ہیں۔ کیونکہ بغیر معانی کے محض اسماء کی پہچان فضیلت کی کوئی بات نہیں ہے اور یہ چیز علم کے شرف اور اس کی فضیلت پر دلالت کر رہی ہے[لہ]

امام رازیؒ اس لفظ (الاسماء) کے اشتقاق اور اس کے لغوی مفہوم پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

من الناس من قال قوله وعلم آدم الأسماء كلها أي علمه صفات الأشياء ونعوتها وخواصها۔ والدليل عليه ان الاسم اشتقاقه اما من السمة أو من السمو۔ فان كان من السمة كان الاسم هو العلامة۔ وصفات الأشياء ونعوتها خواصها دالة على ماهياتها۔ فصح أن يكون المراد من الاسماء الصفات۔ وان كان من السمو فكذلك۔ لأن دليل الشئ كالمرتفع على ذلك الشئ۔ فان العلم بالدليل حاصل قبل العلم بالمدلول۔ فكان الدليل اسمى فى الحقيقة۔ فثبت أنه لا امتناع فى اللغة أن يكون المراد من الاسم الصفة :

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ارشاد باری " وعلم آدم الاسماء كلها " سے مراد چیزوں کی صفات، ان کی تعریفیں اور ان کے خواص ہیں۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اسم یا تو " سمۃ " سے مشتق ہوگا یا " سُمو " سے، اگر اس کو سمۃ سے مشتق قرار دیا جائے تو وہ " علامت " کے معنی میں ہوگا۔ چونکہ چیزوں کی صفات، ان کی تعریفیں اور اُن کے خواص اُن کی ماہیات پر دلالت کرتے ہیں اس لیے اشیاء سے مراد اُن کی صفتیں لینا درست ہوگا۔ اور اگر اس کو " سمو " سے مشتق قرار دیا جائے تب بھی اس سے یہی مراد ہوگا۔ کیونکہ کسی چیز کی دلیل اس چیز سے بلند ہوتی ہے۔ اس لیے کہ دلیل کا علم مدلول سے پہلے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا دلیل حقیقتاً زیادہ بلند ہوئی اس طرح

لہ احکام القرآن، ۱/۳۱

ثابت ہوا کہ لغت کی رُو سے اسم سے مراد (اس کی) صفت لینا ممنوع نہیں ہے۔[۵۱]

علامہ رشید رضاؒ نے اس موضوع پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے اس کا فلسفہ اس طرح سمجھایا ہے:

(وَعلم آدم الاسماء کلہا) أی أودع فی نفسہ علم جمیع الأشیاء من غیر تحدید ولا تعیین، فالمراد بالأسماء المسمّیات عبّر عن المدلول بالدلیل، لشدۃ الصلۃ بین المعنی واللفظ الموضوع لہ، وسرعۃ الانتقال من أحدہما الی الآخر، والعلم الحقیقی انما ہو ادراک المعلومات أنفسہا والألفاظ الدالۃ علیہا تختلف باختلاف اللغات التی تجری بالمواضعۃ والاصطلاح فہی تتغیر وتختلف والمعنی لاتغیر فیہ ولا اختلاف۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی ذات میں تمام چیزوں کا علم بے حد و بلاتعین ودیعت کر دیا، لہٰذا اسماء سے مراد مسمّیات ہیں۔ مدلول کو دلیل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ ایک تو لفظ موضوع لہ اور معنی کے درمیان قوی تعلق پایا جاتا ہے اور دوسرے ایک کے ذکر کے ساتھ ہی ذہن فوراً دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ علم حقیقی دراصل بجائے خود معلومات کا ادراک کرتا ہے۔ اور وہ الفاظ جو ان معلومات پر دلالت کرنے والے ہوتے ہیں وہ موقع و محل اور اصطلاح کے اعتبار سے مختلف زبانوں میں مختلف و متغیر ہوتے ہیں، مگر نفس معنی میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔[۵۲]

حاصل یہ کہ "اسماء" سے مراد ان کے مسمّیات (اس عالم آب و گل کی تمام ہستیاں) اور ان کے تمام آثار و خواص، اپنے تمام معانی و مفہومات کے ساتھ ہیں۔ بعض مفسرین نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر تمام علوم و فنون کو بھی اس لفظ کے عموم میں داخل کر دیا ہے۔ مثلاً:

---

۵۱ تفسیر کبیر ۱/۲۵۸۔

۵۲ تفسیر المنار ۱/۲۶۲۔

قاضی بیضاویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ألهمه معرفة ذوات الأشياء وخواصّها وأسمائها وأصول العلم وقوانين الصناعات وكيفية آلاتها: آدمؑ کو اس نے چیزوں کی ہستیاں، اُن کے خواص، ان کے نام، علم کے اصول، صنعتوں کے قوانین اور صنعتوں میں استعمال ہونے والے آلات کی کیفیت (غرض سب کچھ) الہام کردیا۔[۱]

شیخ طنطاوی جوہریؒ نے لکھا ہے:

وألهمه المعرفة والاختراع وسائر الصناعات: اور اس نے (ذاتِ اشیاء کی) معرفت، ایجاد و اختراع اور تمام صنعتیں الہام کردیں۔[۵۲]

پھر موصوف دوسری جگہ پر اس کی حکمت اور اس کا فلسفہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

سخّرت له السموٰت والأرضون والبر والبحر والروض والقفر والجبل والسهل، فعلم الأسماء والصفات وخواص المخلوقات ليعرفها وتنفعه، ولذلك يقول (وعلم آدم الاسماء كلها) وحريّ بمن سخرت له الأفلاك وقامت بنظامها الأملاك ومن سجدت له العوالم سجود تسخير وقامت له تعظيمًا بالتدبير أن يتحلّى بالعرفان ليفهمها وينطق باللغات وينظمها دعت حاجته الى العوالم فعرّفها له مبدعه:

آدم علیہ السلام کے لیے ارض و سما، بر و بحر، چٹیل میدان و مرغزار، بیابان و کہسار سب مسخر کردیے گئے۔ پس اس نے مخلوقات کے تمام اسماء اور خواص و صفات کا علم (آدمؑ کو) دے دیا، تاکہ وہ اُن اشیاء کو اچھی طرح پہچان لے اور ان سے فائدہ اٹھائے۔ اسی لیے ارشاد ہوا:

۱۔ تفسیر بیضاوی۔

۵۲۔ تفسیر الجواہر ۱/۵۲۔

(اور اُس نے آدمؑ کو تمام اسماء کا علم دے دیا) اور اس کے لیے ـــــ جس کی خاطر تمام افلاک واجرام مسخر کر دیے ہوں، تمام خطوں کو اپنے نظاموں کے ساتھ آراستہ کر دیا ہو، اور تمام عوالم اس کو تسخیری سجدہ کر کے اس کی تعظیم وتکریم پر کمر بستہ ہو چکے ہوں ـــــ بہتر ومناسب تھا کہ وہ ان سب کا عرفان حاصل کر لے تاکہ وہ اُن کو اچھی طرح سمجھ کر اپنی زبان میں اُن کا نطق کرے اور انھیں منظم کرے۔ اسی وجہ سے اس کو ان عوالم کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت پڑی۔ لہٰذا خلاقِ عالم نے ان تمام چیزوں کا تعارف آدم سے بخوبی کرا دیا۔[۵]

چند حیرت انگیز حقائق

یوں تو سورۂ بقرہ کی ان آیات میں ہمارے لیے بہت سے اسباق وبصائر ودیعت کر دیے گئے ہیں مگر اس موقع پر "خلافت ارض" کے تعلق سے صرف چند حقائق ومعارف کے بیان واستنباط پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ مہمان سرائے ارض کی آراستگی "الاسماء کلھا": اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق آدمؑ سے پہلے تمام اشیائے عالم اور کل انواع حیات کی تخلیق مکمل ہو گئی تھی۔ بالفاظ دیگر خلافت ارض کے مقاصد کی تکمیل کے لیے کرۂ ارض ہر قسم کے سامان حیات اور متاع زندگی سے پوری طرح آراستہ وپیراستہ کر دیا گیا تھا تاکہ مہمان سرائے عالم میں کسی بھی چیز کی کمی محسوس نہ ہو اور اس میں کوئی نقص یا عیب نہ رہ جائے، بلکہ وہ ہر حیثیت سے انسانی فطرت اور اس کی ضروریات سے مکمل طور پر ہم آہنگ رہے۔ آیتِ کریمہ

---

۵ تفسیر الجواہر، جلد ۱، صفحہ ۵۳۔

"وَ اٰتَاکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ" (اور اس نے وہ سب کچھ تم کو دے دیا جو تم نے یعنی تمہاری فطرت نے مانگا) کا بھی یہی مطلب ہے۔

۲۔ علم اسماء اور علوم سائنس | انسان کو جو سب سے پہلا علم دیا گیا وہ علم اشیاء ہے۔ یعنی تمام موجودات عالم اور ان کی خصوصیات و امتیازات کا علم۔ اس کو ہم مختصر طور پر "علم اسماء" یا "علم مظاہر کائنات" کہہ سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں سائنس جن چیزوں سے بحث کرتی ہے وہ یہی موجوداتِ عالم ہیں، اور جو باتیں بیان کرتی ہے وہ یہی "اشیاء کے آثار و خواص" ہیں۔ طبیعیات (Physics) کیمیا (Chemistry)، حیاتیات (Biology)، ارضیات (Geology) اور فلکیات (Astronomy) وغیرہ تمام سائنسی علوم کا دائرہ مادی چیزوں (مسمّیات) اور اُن کے خصوصیات و امتیازات یا "آثار و خواص" (اسماء) ہی کے گرد گھومتا ہے۔ لہٰذا "اٰلْاَسْمَاءَ" کو علی وجہ البصیرت سمجھنا سائنسی علوم کے وقوف پر موقوف ہے۔ سائنس نام ہے دنیا میں پائی جانے والی مادی چیزوں اور اُن کی ساخت و پرداخت کے مطالعہ کا۔

۳۔ علم اسماء اور خلافت ارض | "تعلیم اسماء" کا تعلق "خلافت ارض" سے ہے۔ ان دونوں کا بیان زیر بحث آیات میں ساتھ ساتھ آیا ہے اور ان دونوں کا آپس میں بہت گہرا ربط و تعلق ہے، جیسا کہ علامہ طنطاوی جوہری کے اوپر نقل کردہ اقتباس سے ظاہر ہو رہا ہے، ظاہر ہے کہ انسان جب تک اشیائے عالم کی حقیقت، ان کی ساخت و پرداخت ان کے اعمال و وظائف اور ان کے طبعی و نوعی خصوصیات سے بخوبی واقف نہ ہو جائے ان سے مستفید نہیں ہو سکتا اور انھیں مسخر کر کے ان میں ودیعت شدہ قوتوں کو کام میں نہیں لا سکتا۔ جب وہ موجوداتِ عالم سے مستفید نہیں ہوگا اور ان کی قوتوں کو زیر نہیں کرے گا تو اس کا خلیفہ ہونا ایک بے معنی بات ہوئی اور خلافت کے دیگر تمام مقاصد فوت ہو جائیں گے (تفصیل آگے آ رہی ہے) چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں

"پھر دوسرا جواب حکیمانہ انداز سے آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر ترجیح، اور مقامِ علم میں آدمؑ کے تفوّق کا ذکر کرکے دیا گیا، اور بتلایا گیا کہ خلافتِ ارض کے لیے زمینی مخلوقات کے نام اور ان کے خواص و آثار کا جاننا ضروری ہے، اور فرشتوں کی استعداد اس کی متحمل نہیں ہے"[1]

شیخ طنطاوی جوہری تحریر فرماتے ہیں:

"فمن لم یقدر علی معرفۃ مراتب الأشیاء لا یستحق أن یکون خلیفۃ علیھا؟: جو ہستی اشیائے عالم کے مراتب سے ناواقف ہو وہ ان اشیاء پر خلیفہ ہونے کی مستحق نہیں ہو سکتی"[2]

۴ — علم تکوین کی فضیلت و اہمیت | حضرت آدمؑ کو تمام اشیاء کا علم سکھانے والا خود اللہ تعالیٰ ہے، جو بنصِّ قرآنی "معلّمِ اول" ہے (وعلّم آدم الأسماء کلھا)۔ اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے منصوبے کے مطابق اولادِ آدم میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ اشیائے عالم اور ان کے خواص کا علم حاصل کریں۔ اس لحاظ سے اولادِ آدم مظاہر کائنات کا علم بتدریج حاصل کرکے گویا "تعلیمِ الٰہی" کی تصدیق کر رہے ہیں۔

علامہ سید رشید رضا تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام باتیں بتادیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اللہ نے آدم کو یہ تمام باتیں خواہ ایک ہی وقت میں بتادی ہوں یا متعدد مرتبہ بتائی ہوں۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ علمی قوت ہر آدمی میں عام ہے۔ اس لیے یہ لازم نہیں آتا کہ آدم کی اولاد "اشیائے کائنات" کو پہلے ہی دن جان لیں۔ انسانوں میں اس قوت کے اثبات کے لیے

---

[1] تفسیر معارف القرآن ۱/۱۷۸۔

[2] تفسیر الجواہر ۱/۵۲۔

اتنی ہی بات کافی ہے کہ ان کو بحث و استدلال کے ذریعہ اشیاء کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے"[1]

اس بیان کے مطابق آدمؑ اور اولاد آدم کے علم میں بیّن فرق یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کا علم "لَدُنّی" تھا۔ یعنی وہ علم جو کسی کو بارگاہ الٰہی کی جانب سے بغیر کسب و مشقت عطا کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اولاد آدم کا علم کسبی ہے۔ یعنی وہ علم جو محنت و مشقت کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔ مگر اس کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد آدم میں روز ازل ہی میں رکھ دی تھی، تاکہ اولاد آدم اشیائے کائنات کی تسخیر کر کے خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

ان تصریحات سے علم کی فضیلت تو ثابت ہوتی ہی ہے، مگر خصوصیت کے ساتھ علم تکوین یا علم مظاہر کی اہمیت بھی۔ اس علمی برتری ہی کی بدولت انسان مسجود ملائکہ بنایا گیا۔

نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مظاہر فطرت اور ان کے نظاموں کا علم حاصل کرنا غیر اسلامی، یا ناجائز، یا غیر ضروری، یا بیکار و بے فائدہ نہیں بلکہ وہ عین "تعلیم الٰہی" اور منشائے خلافت کے مطابق ہے۔ اور اس سے اعراض و چشم پوشی، دینی و دنیوی دونوں حیثیتوں سے نقصان عظیم کا باعث ہو گی، جیسا کہ تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کے فوراً بعد اس کو کائنات اور مظاہر کائنات کے علوم سے بہرہ ور کیا گیا۔

۵۔ علم اسماء اور علوم و فنون | تفسیر بیضاوی اور تفسیر الجواہر کی تصریحات کے مطابق (وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا) کی وسعت اور اس کے اقتضاء میں تمام علوم و فنون بھی داخل ہیں، جن کو موجودہ زبان میں سائنس اور ٹکنالوجی کہا جا سکتا ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی کیا ہے؟ مادہ (Matter) اور اس کی قوتوں

---

[1] تفسیر المنار ۱/۲۶۳۔

(Energies) کی جانکاری اور اس سے استفادہ۔ مثلاً مختلف مصنوعات، کیمیائی مرکبات، انواع و اقسام کے سامان تمدن کی تیاری اور برق و بھاپ کو قابو میں کر کے مختلف میدانوں میں بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانا۔ چنانچہ آج دنیا میں جتنی بھی صنعتیں (Industries) کام کر رہی ہیں اور ان سے جو معاشی و تمدنی فوائد حاصل ہو رہے ہیں وہ سب انہی علوم کی ترقی کی بدولت ہیں۔

"علم اسماء" یا دوسرے لفظوں میں سائنس اور ٹکنالوجی میں مہارت حاصل کیے بغیر موجودہ دور میں خلافت ارض کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ ان دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ (مزید تفصیل آگے آرہی ہے)۔

۶۔ **شرک اور مظاہر پرستی کا سدّباب** | مادہ پرست اور خدا بیزار لوگ کہتے ہیں کہ مذہب و اخلاق ماحول کی پیداوار ہیں۔ ابتداءً انسان نے جب جنم لیا تو اپنے چاروں طرف ایک عجیب و غریب ماحول اور خوفناک مظاہر دیکھ کر ڈر گیا ہوگا اور انھیں رام کرنے، ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے انھیں پوجنا شروع کر دیا ہوگا۔ اس طرح بزعم خود مذہب کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ خدا کا تصور پیدا ہوا۔

بعض صحیح العقیدہ مسلمان بھی ان خیالات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

"اس میں کچھ شک نہیں (جیسا کہ ہربرٹ اسپنسر اور دیگر فلسفیوں اور محققوں نے ثابت کیا ہے) کہ انسان بھوت پریت یا سایہ سے خدا تک پہنچا ہے۔ اگرچہ اس کا ابتدائی خیال خوف کی وجہ سے اسے اپنے سایہ یا دوستوں اور بزرگوں کی موت یا خواب دیکھنے سے ہوا ہے"[۵]

مگر آدمؑ کو "علم اسماء" دیا جانا اس بات کی تردید ہے کہ دنیا کا پہلا انسان جہل و دہشت

---

۵ مذہب اور سائنس، ص۳۹، از مولوی عبدالحق، مطبوعہ ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء۔

کے تاریک اور ہیبتناک ماحول میں نہیں بلکہ علم و معرفت کے اجالے اور تیز روشنی میں نمودار ہوا، اس کے ایک ہاتھ میں "علم اسماء" کی مشعل تھما دی گئی تو دوسرے ہاتھ میں "تسخیر اشیاء" کی راکفل دے دی گئی تا کہ وہ ان دونوں کی مدد سے خلافت کے میدان کو سر کرے۔

غرض آدم کو ابتدا ہی میں تمام اشیاء کا علم دے دینے کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ وہ ان مظاہر سے کسی قسم کا خوف یا دہشت محسوس نہ کرے۔ گویا کہ ہر چیز کا تعارف شروع ہی میں کرا کے شرک اور مظاہر پرستی کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا، اور اعلان یہ کیا گیا تھا کہ یہ مظاہر انسان کے لیے دیوی دیوتا نہیں بلکہ سب اس کے خادم اور حاشیہ بردار ہیں۔ اور انسان کا مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ بجائے خالق کے ان مخلوقات کے آگے سر نیاز خم کرے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ اور ہم نے آدم کی اولاد کو یقیناً عزت بخشی اور انھیں بر و بحر میں سواریاں عطا کیں، (خورد و نوش کی) عمدہ چیزوں سے انھیں نوازا اور بہت سی مخلوقات پر انھیں کلی فضیلت بخشی (بنی اسرائیل ۷۰)

۷۔ نظریۂ ارتقاء کی تردید | مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ انسان کی تخلیق اور اس کی تربیت بالکل خصوصی حیثیت سے اور ایک خاص ماحول میں عمل میں آئی ہے۔ اور یہ تمام باتیں نظریۂ ارتقاء کی بھی تردید کر رہی ہیں۔

نظریۂ ارتقاء پر تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ لیکن یہاں پر جو بنیادی حقیقت ثابت ہو رہی ہے صرف اس کا اظہار مقصود ہے۔ ارتقاء کی رو سے ——— چاہے وہ صحیح ہو یا غلط[1] ——— ایک نوع کو دوسری نوع تک بتدریج پہنچنے میں لاکھوں سال لگ

---

[1] ابھی حال ہی میں لندن سے ایک کتاب "قاموس نامعلومات" یا "لاعلمیوں کی لغت" (بقیہ صفحہ ۱۷پر)

جاتے ہیں۔ اس نظریہ کی رُو سے انسان جب لاکھوں سال میں بندر سے اپنے موجودہ روپ میں ظاہر ہوا تو کوئی ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنے ظہور کے ساتھ ہی نطق و گویائی سے بھی متصف ہو جاتا اور تمام موجودات عالم اور ان کے خواص و تاثیرات سے بیک وقت واقفیت حاصل کر لیتا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کو ہزاروں سال محنت کرنی پڑتی۔ اسی بنا پر بعض لوگوں کا قیاس ہے کہ انسان سب سے پہلے اشاروں کنایوں کے ذریعہ اپنا مافی الضمیر ادا کرتا رہا ہوگا۔ نطق و گویائی اور لکھنا پڑھنا وغیرہ بہت بعد کی چیزیں ہوں گی، جو ترقی یافتہ دور کی نشانی ہیں۔

مگر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی نطق و گویائی سے متصف کر کے قلم کے ذریعہ آپ کو علم عطا کرنا (اور تمام موجودات عالم کا علم دے دینا) اس بات کی کھلی تردید ہے کہ دنیا کا پہلا انسان اتفاقی طور پر یا "ارتقاء" کے نتیجے میں نہیں بلکہ تخلیق خصوصی کے طور پر ظہور پذیر ہوا ہے۔ "خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" (اس نے

(بقیہ ص۳) (The Encyclopedia of Ignorance) کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں سائنس کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ساٹھ مستند ماہرین نے بنظر غائر اپنے اپنے علم و فن کا جائزہ لے کر یہ دکھایا ہے کہ انسانی معلومات کا دائرہ بہت ہی محدود ہے اور طبیعی و حیاتیاتی علوم کے بہت سے ایسے اسرار ہیں جن کو انسان اب تک نہیں جان سکا۔ اس وقیع اور قابل قدر کتاب میں نظریۂ ارتقاء کی تردید میں بھی چند مضامین بڑے اچھے ہیں۔ اور ایک مضمون کا عنوان ہی "نظریۂ ارتقاء کے مغالطات" (Fallacies of Evolutionary Theory) ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان نام نہاد ارتقائی قوانین کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا اور ان کو حقائق کا نام دینا سفسطہ اور مغالطہ سے زیادہ حیثیت نہیں۔

انسان کو پیدا کر کے بولنا سکھایا) میں اسی صداقت عظمیٰ کا اظہار موجود ہے کہ تخلیق انسان اور اس کی قوتِ بیانی کی تعلیم کے درمیان کسی قسم کا فصل یا انقطاع موجود نہیں ہے۔ یہ فائدہ یہاں پر اس لیے حاصل ہو رہا ہے کہ ان دونوں فقروں کے درمیان حرف عطف موجود نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دونوں چیزیں بیک وقت اور بلا انقطاع عمل میں آئی ہیں۔ سائنٹیفک نقطۂ نظر سے انسان کی تخلیق جس قدر حیرت انگیز ہے اس کی قوتِ گویائی اور اظہار بیان کی صلاحیت بھی اُسی قدر تحیّر خیز ہے۔ یہ دونوں چیزیں صفاتِ خداوندی کی مظہر ہیں۔ اس لیے انسان ان کی مکمل حقیقت کبھی نہیں سمجھ سکتا۔

نیز انسان کو خلیفہ (ایک ذمہ دار اور جوابدہ ہستی) قرار دیا جانا بھی نظریۂ ارتقا کی تردید ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز آپ سے آپ ظہور میں آجائے اس پر شرعی و اخلاقی نقطۂ نظر سے کوئی ذمّہ داری عائد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس صورت میں اس کو کسی خالق و صانع اور مُربی و منتظم کی قدرت اور منصوبہ بندی کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۸ ــ قوتِ گویائی اور تعلیم بالقلم | چونکہ اوپر کی بحث میں تخلیق انسان اور تعلیم بیان کا ذکر ضمناً بالکل مجمل طور پر آیا ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کچھ مزید روشنی ڈالی جائے اور قرآن حکیم کے دیگر مقامات کی روشنی میں اس اجمال کی تھوڑی سی وضاحت کر دی جائے۔ تاکہ تخلیق آدم کے بعد "تعلیم اسماء" تک جو درمیانی مدارج ہیں وہ بھی واضح ہو جائیں اور قرآن حکیم کے مختلف بیانات میں ترتیب و تطبیق بھی ہو جائے۔

چنانچہ دیگر مواقع پر مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد نہ صرف اس کو بولنا سکھایا بلکہ قلم کے ذریعہ اس کی تعلیم دی اور اس کو وہ سب کچھ بتا دیا جس کو وہ پہلے سے نہیں جانتا تھا۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۙ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۚ پڑھ اپنے

رب کے نام سے، جس نے تجھے پیدا کیا۔ (وہ ذات برتر) جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ! تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جس کو وہ (پہلے سے) نہیں جانتا تھا۔ (علق ۱-۵)

اور ایک دوسرے مقام پر اس اجمال کی تفصیل میں بتایا گیا ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد سب سے پہلے اس کو بولنا سکھایا اور نطق وگویائی اور اظہار بیان کی تعلیم دی۔ پھر اس کے بعد مظاہر کائنات کی پہچان کرائی گئی۔ سب سے پہلے نطق وگویائی اور اظہار بیان عطا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ مظاہر کائنات کے علم ومعرفت کو اپنی زبان میں ادا کرنے کے قابل بن جائے، جس کے بغیر علوم کی ترقی اور حجت واستدلال کا بازار گرم نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ سارے علوم اور تمام اسرار دلوں ہی میں دفن ہو جاتے اور ان کے باہر نکلنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝

رحمان وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو پیدا کیا پھر اس کو گویائی سکھائی۔ (پھر اس کے بعد انسان کو یہ علم دیا کہ) آفتاب و ماہتاب ایک حساب سے چلتے ہیں۔ اور (تمام) ستارے اور (تمام) درخت (تکوینی اعتبار سے) سجدہ ریز ہیں۔ اور آسمان کو اس نے اونچا کیا اور (اس میں) میزان رکھ دی (اور عرش سے فرش تک تمام موجودات کو یہ حکم دیا کہ کوئی اپنی) میزان (خدا کے مقرر کردہ ضابطہ) سے تجاوز نہ کرے (سورۂ رحمٰن۔ ۱-۸)

ان آیات میں بنیادی طور پر چار باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱- خدائے رحمان وہ ہے جس نے نوع انسانی کو قرآن کی تعلیم دی۔ اس قرآن کے ذریعہ وہ تمام اسرار کھولے جا رہے ہیں جن کو انسان اس سے پہلے نہیں جانتا تھا یا انھیں

فراموش کرچکا تھا۔

۲۔ انسان کو پیدا کرنے کے بعد سب سے پہلے اس کو نطق و گویائی اور اظہار بیان کی قوت و صلاحیت عطا کی گئی۔ چنانچہ دنیا کا پہلا انسان اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے اشاروں کنایوں کی زبان کا محتاج نہیں تھا بلکہ صاف صاف قوتِ گویائی کی صفت سے متصف تھا۔

۳۔ اظہار بیان کے دو ہی طریقے ہیں جن کے ذریعہ دلیل و استدلال قائم کیا جاسکتا ہے یا جذبات و احساسات کا اظہار کیا جاسکتا ہے: (۱) نطق و گویائی (۲) کتابت۔ یہ دونوں طریقے انسان کو ابتدا ہی میں سکھا دیے گئے تاکہ وہ مظاہر کائنات سے جاہل نہ رہے بلکہ ان سے بخوبی تعارف حاصل کرکے ان کے اندر ودیعت شدہ فوائد سے بھی مستفید ہو اور دوسری طرف آنے والی نسلوں کو کائنات میں ان کی اصل پوزیشن سے بھی آگاہ کرتا رہے۔

۴۔ اسی بنا پر انسان کو سب سے پہلا جو علم دیا گیا وہ مظاہر کائنات کا علم تھا۔ جیسا کہ ان آیات کریمہ "عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" کے فوراً بعد فرمایا "اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ الخ" یعنی اظہار بیان کی قوت سے متصف ہوتے ہی فوراً تمام مظاہر کائنات کا علم دے دیا۔ یہ آیات کریمہ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" کے اجمال کی بھی بخوبی تشریح و تفسیر کر رہی ہیں۔

اس لحاظ سے حضرت آدمؑ کو "علم اسماء" دیے جانے کی ترتیب یوں ہوئی:

(۱) سب سے پہلے انھیں بولنا سکھایا (۲) پھر قلم کے ذریعہ انھیں تعلیم دی (۳) پھر اشیائے کائنات کا علم سکھایا۔

سورۂ رحمان میں غور کرنے سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ اس علم کے عطا کیے جانے کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کی توضیح و تفصیل نیز شرک اور دیگر فکری گمراہیوں کی تردید ہے۔ یہ مقصد مظاہر کائنات کے صحیح اور مفصل علم کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا تھا۔

اسی وجہ سے انسان کو سب سے پہلے مظاہر کائنات کا علم دیا گیا تاکہ وہ دنیا کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے ہوئے اپنے خالق ومعبود کو فراموش نہ کر بیٹھے۔

برسبیل تذکرہ سورۂ رحمان میں انسان کے آغاز و انجام کی تفصیلات اور ربوبیت کی کرشمہ سازیوں کا بیان انسان کی عبرت وبصیرت کے لیے ایک عجیب وغریب اور اعجازی انداز میں مرقوم ہے اور اس میں ترغیب وترہیب کے دونوں فطری طریقوں سے کام لیا گیا ہے۔

قرآن حکیم کی تشریح وتفسیر کا ایک صحیح اور بہترین اصول یہ ہے کہ اس کی کسی مجمل آیت یا کسی مبہم مقام کی تشریح اُسی کی دیگر مفصل آیات ومقامات سے کی جائے۔ اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا۔ اس اصول کے مطابق نہ صرف مبہم آیت کریمہ کی بخوبی توضیح ہوتی ہے بلکہ متعلقہ تمام آیات بھی باہم مربوط اور معنی خیز بن جاتی ہیں۔ جس کے باعث قرآن کے ابہامات واضح اور اس کے اسرار ومعارف کھلتے چلے جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ پورا واقعہ عالم غیب کا ہے اور اس وقت کا جب کہ ابھی انسانِ اوّل کا ہماری دنیا میں ہبوط نہیں ہوا تھا اور نہ سلسلۂ رسالت ہی جاری ہوا تھا۔ لہٰذا اس کی تحقیق عالم شہود میں کیوں کر ہوسکتی ہے! مگر اس واقعہ سے مقصود انسان کی فضیلت اور اس کے شرف کا اظہار ہے۔ (باقی آئندہ)

تاریخ طبری کے مآخذ کا تنقیدی وتحقیقی مطالعہ

تالیف

ڈاکٹر جواد علی، سکریٹری المجمع العلمی العراقی بغداد، مترجمہ، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی، عمدہ کتابت وطباعت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ قیمت بلا جلد 14/ قیمت مجلد رنگین۔ 16/- مکتبہ برہان اردو بازار، جامع مسجد دہلی۔